حیدرآباد میں عزاداری محرم کی روایت

پروفیسر سید ایوب علی☆

اسلامی اثرات اور ان کا ثقافتی پھیلاؤ آندھرا میں چودھویں صدی یعنی ۱۳۲۳ء میں دہلی کے سلطانوں کے ہاتھوں کاکتیا سلطنت کے زوال کے بعد سے نظر آنا شروع ہوتے ہیں۔ شروع کے دور کے ادبی شواہد اور کتبوں وغیرہ سے ابتدائی مسلمان حکمرانوں کی تصویر خاصی بھیانک ابھرتی ہے اور ان کے طرزِ عمل میں مذہبی زیادتیوں اور کلچرل تعصب کا انداز نظر آتا ہے۔ لیکن قطب شاہی دور اور اس کے بعد کے دور، یعنی ۱۵۱۸ سے مذہبی اور ثقافتی امتزاج اور ہندو مسلمانوں کا آپس میں مل جل کر رہنے کا چلن آندھرا میں ابھرنے لگا تھا۔

آندھرا میں تمام مذہبی تیوہار اور دونوں فرقوں کی خوشیاں اور جشن یکساں جوش و خروش سے منائے جاتے ہیں۔

خوش نصیبی سے قطب شاہی خاندان کے بعد یہ علاقہ آصف جاہیوں کے تسلط میں آیا۔ آصف جاہی حکمرانوں نے بھی فرقے وارانہ ہم آہنگی اور میل جول کا طریقہ اپنایا اور اس کو ۱۹۴۸ء تک باقی رکھا، جب حیدرآباد، انڈین یونین میں شامل ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی سماجی اور مذہبی طور طریقوں میں بڑی واضح تبدیلی آگئی۔ بہرحال محرم کی رسومات نہ ختم ہوئیں، نہ بدلیں۔ اب بھی آندھرا پردیش کے لوگ جو مختلف مذاہب اور فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں، صوبے کے مختلف علاقوں میں مذہبی تیوہار اور جشن اسی جوش و خروش کے ساتھ مناتے ہیں۔

آندھرا پردیش میں مشکل سے ہی کوئی گاؤں ایسا ہوگا جہاں عاشورخانہ نہ ہو اور وہاں محرم کی رسمیں ادا نہ کی جاتی ہوں۔ خواہ اُس میں مسلمان رہتے ہوں یا نہ رہتے ہوں۔ یہاں تک کہ وہ قبیلے بھی، جو ریاست کے دور دراز گوشوں میں رہتے ہیں، محرم پورے احترام اور لگن سے مناتے ہیں۔

اس پس منظر کے ساتھ، اس مختصر مقالے میں آندھرا میں عزاداری کی روایت کی ابتداء اور غیر

☆ حیدرآباد

مسلموں کی ان روایات میں شرکت کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اُن لوک گیتوں پر بھی کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جن کا تعلق آندھرا میں محرم کی روایت سے ہے۔

یہ بات کہنا مشکل ہے کہ ہندوستان میں پہلا علَم کب نصب ہوا اور پہلی مجلس کب منعقد کی گئی مگر دکن میں، مجلسوں کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب بہمنی دور میں ایرانی یہاں آنا شروع ہوئے۔ علموں کے بارے میں حوالے تو موجود ہیں مگر افسوس ہے کہ اس دور کا کوئی علم نہیں مل سکا۔ بہمنیوں کے زوال کے نتیجے میں پانچ آزاد حکومتیں قائم ہوئیں۔ بیجا پور سلطنت کا بانی عادل شاہ وہ پہلا شخص تھا جس نے شیعہ اذان کہنے کا حکم دیا اور خطبوں میں بارہ اماموں کے نام لینے کی ہدایت کی۔ یہ عمل ارک قلعے میں ۱۵۰۳ میں شروع ہوا۔ گولکنڈہ میں چھ سال بعد قطب شاہی حکومت کے بانی قطب الملک نے یہ عمل شروع کیا۔

یہاں سے حیدرآباد میں قطب شاہی بادشاہوں کی سرپرستی میں منعقد ہونے والی مجالس کا باقاعدہ تاریخی ریکارڈ ملتا ہے۔ علم رکھنے کے لیے عاشورہ خانوں کی مخصوص عمارتیں بنوائی گئیں۔

۱۵۹۲ء میں چار مینار کی عمارت پوری ہونے کے بعد بادشاہی عاشور خانہ تعمیر کروایا گیا، جس میں چودہ مرصع طلائی علم رکھے گئے اور یہ جگہ المیۂ کربلا کی یاد میں عزاداری کے لیے مخصوص مرکز ہوگئی۔

مرزا نظام الدین نے اپنی کتاب ''حدیقۃ السلاطین'' میں اور غلام حسین خاں نے اپنی کتاب 'گلزارِ آصفیہ' میں حیدرآباد میں عزاداری کا بہت تفصیلی بیان کیا ہے۔ نظام الدین کے بیان کے مطابق معاشرے کے تمام حصے محرم کی عزاداری میں شریک ہوتے تھے۔ محرم کے دوران لوگ موسیقی اور رقص کی محفلیں نہیں سجاتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ گوشت، اور پان تک جو مقامی لوگوں میں بہت مقبول تھا، کھانا چھوڑ دیتے تھے۔

مذہبی رسوم، جیسے ماتم کرنا، فاتحہ وغیرہ صرف وہ لوگ انجام دیتے تھے جو ان پر اعتقاد رکھتے تھے لیکن عاشور خانے کی باقی رسوم بہت عام تھیں اور ان میں سب لوگ شریک ہوتے تھے۔

زیادہ تر رسوم مقامی رسم و رواج سے اپنائی گئی تھیں۔ جیسے سوانگ یا شیر یا بندر وغیرہ کا روپ بھرنا وغیرہ مقامی غیر مسلموں سے لیے گئے تھے۔ 'رشیدالدین خانی' میں غلام امام خاں کی تصدیق کے مطابق محرم میں سلطان سے لے کر عام آدمی تک خواہ سنّی ہو خواہ شیعہ خواہ ہندو، ہر شخص لنگر کی روایت ضرور پوری کرتا تھا۔ یہ عمل اس شخص کی اپنی مالی حالت یا ذرائع کے مطابق ہوتا تھا۔

ہنم کونڈا اور وارنگل، ضلع وارنگل میں جڑواں شہر ہیں۔ یہ جگہ اپنی شان وشکوہ اور تاریخی اہمیت کے لحاظ سے آندھرا پردیش میں بہت مشہور ہے۔ یہاں نسل، ذات، مذہب کی تفریق کے بغیر ہر طبقے کے لوگ مسلمانوں کے ساتھ محرم کی روایات میں حصہ لیتے ہیں۔ وارنگل کی آبادی ۷ لاکھ ہے اور ہر سال لگ بھگ ایک لاکھ لوگ محرم میں شریک ہوتے ہیں ان میں سے ۵۰ ہزار سے زیادہ غیر مسلم ہیں۔

تمام فرقوں کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ علم (پیرلو) ان کی دعا سن لیں گے اور ان کی مانگیں پوری ہوجائیں گی۔ محرم میں عام طور پر یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں سے نکل کر 'اوؤ' (Owes) میں غالباً چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ یہ لوگ پھول، ناریل، شکر، ہرایا لال رنگ کا کپڑا جس پر ملّو، (علم سے دعا) کا دھاگا لپٹا ہوتا ہے چڑھاتے ہیں۔

لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اگر بیمار، گونگے، اپاہج اور دماغی طور پر کمزور بچوں کو عَلَم کے گرد گھمایا جائے تو وہ ٹھیک ہوجاتے ہیں۔

جب کسی غیر مسلم کے یہاں عَلَم پر 'اَوس' چڑھانے کے بعد بچے کی پیدائش ہوتی ہے تو عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے بچے کے نام کے ساتھ کوئی اسلامی نام لگادیتے ہیں۔ جیسے حسین ریڈی، حسن راؤ، حسن اما وغیرہ۔

محرم سے وابستہ ایک اور روایت جو آندھرا پردیش میں عام ہوئی وہ نظم گوئی تھی۔ غیر مسلموں نے تیلگو میں ایسی نظمیں لکھیں جن میں المیۂ کربلا اور امام حسینؑ کی تعلیمات کو بیان کیا جاتا تھا۔

یہ نظمیں یا گیت جو اردو مرثیے، نوحے وغیرہ سے متن اور 'فارم' میں مختلف ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر زیادہ تر تیلگو گیتوں میں حسن اور حسین دونوں کی شہادت میدان کربلا ہی میں بتائی جاتی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صرف امام حسینؑ اپنے بہتر ساتھیوں کے ساتھ وہاں شہید ہوئے تھے۔ دوسری بات یہ کہ وہ محرم کو ایک تیوہار کی طرح خوشی کے ساتھ مناتے ہیں، جبکہ محرم رنج وغم کا مہینہ ہے۔

ایسے اور بھی کچھ انحراف یا غلطیاں ہوسکتی ہیں مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان تیلگو گیتوں کے لکھنے والے غیر مسلم تھے اور اسلامی تاریخ سے واقف نہیں تھے۔ ان گیتوں میں جو چیز اہمیت رکھتی ہے، اور ہمیں اسی پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ ان شاعروں یا گیت کاروں میں کربلا کے لیے کتنا لگاؤ اور جذبہ تھا۔ محرم سے متعلق تیلگو میں کئی طرح کے گیت ہیں۔